© rasailojaraid.com

علم الاخلاق اور علم المعشیت کا باہمی ربط و تعلق

حضرت شاہ ولی اللہ کا ایک خاص نظریہ

از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

یہ مقالہ انجمن ترقی ادب دہلی کے دوسرے سالانہ اجلاس کی نشستِ مقالات میں پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی ایم اے (علیگ) کی زیر صدارت ۲۳ فروری ۱۹۴۷ء کو ٹاؤن ہال دہلی میں پڑھا گیا تھا

تمہید: حضراتِ کرام، اس ادبی مجلس میں جس موضوع پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے وہ اپنی حیثیت میں ایک اچھوتا موضوع ہے بلکہ بغیر کسی خودستائی اور علمی غرور کے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ علمی دنیا میں یہ پہلی کوشش ہے جو سپردِ قلم کی گئی ہے لیکن ایسے بڑے دعوے کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس سے بہت کم ہے جو اس سلسلہ میں کہا جانا چاہیے۔

مختلف وجوہ و اسباب کے علاوہ اس اختصار کی بڑی وجہ، میری عدیم الفرصتی ہے اور غالباً "مجلس ترقی ادب" کا یہ "یک روزہ" اجلاس بھی طوالت کا متحمل نہ ہوتا۔

مقالہ کا موضوع: اس مقالہ کا اصل موضوع "علم الاخلاق کے ساتھ علم المعیشت کا تعلق" ہے مگر حکماء اسلام میں چونکہ صرف حکیم الامت شاہ ولی اللہ (نور اللہ مرقدہ) نے اس "تعلق" کو "علم الاخلاق" میں بہت اہمیت دی ہے اور حکمت ولی اللّٰہی میں اس کا مقام بہت بلند ہے اس لیے اگر ہم اس کی تعبیر ان الفاظ میں کریں کہ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کا خصوصی امتیاز کیا ہے؟ تو یہ صحیح اور برمحل ہوگا۔

حکمت کی تعریف: جدید و قدیم فلاسفہ اور حکماء نے فلسفہ حکمت کی جو تعریفیں کی ہیں ان کا خلاصہ اور نچوڑ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمت نام ہے قول وعمل میں درست کاری اور حق و راستی کی معرفت کا پس اگر یہ معرفت اور درست کاری اشیاء کے پوشیدہ اسرار، اور اسباب و مسببات کے باہمی تعلق و ارتباط سے آگاہ کرتی ہے تو اس کو حکمت علمیہ کہتے ہیں۔

اس پوری حقیقت کو قرآن عزیز نے اپنے معجزانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (بقرہ) — جس شخص کو "حکمت" سے حصہ دیا گیا ہے بلاشبہ اس کو زبردست بھلائی دی گئی اور بہت بڑا کمال بخشا گیا

اور اگر مسطورہ بالا معرفت اور آگاہی رموزِ قدرت کے مطابق ہر شے کو اس کے مناسب جگہ دی تو اس کو "حکمت عملی" کہا جاتا ہے[1]

حکمت کی عظمت: حکمت اپنے اندر کیسے عظیم الشان کمالات رکھتی ہے اور حیات انسانی کے ارتقاء میں اس کا درجہ کس قدر بلند اور پر عظمت ہے؟ اس کا اندازہ جدید و قدیم علمی کائنات کے اس ذخیرہ سے ہو سکتا ہے جو علمی نظریوں اور عملی سائنس کے ذریعہ ہماری مادی زندگی کی ترقی اور سربلندی کے بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا، اور دے رہا ہے۔

نیز ہماری روحانی نشوونما اور کمالات کے ارتقاء کا ضامن اور کفیل ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خالقِ علوم نے اپنی ذات کے ساتھ اس کمال کو متصف ظاہر کیا ہے۔

اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ — بلاشبہ تو ہی علم والا، حکمت والا ہے (یعنی سرچشمہ علم و حکمت ہے)

حکمت اور علم الاسرار: یہی حکمت جب "قوانینِ الٰہی" (شریعت حقہ) کے رازہائے سربستہ اور حقائق و رموز سے آگاہی میں استعمال کی جاتی ہے تو اس کا نام "علم الاسرار" ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ بتائے کہ دین و مذہب کے قوانین و اصول کس طرح عقل و فطرت (نیچر) سے مطابقت رکھتے اور کس طرح کائنات کے انفرادی و اجتماعی نظام کے لیے باعثِ فلاح و سعادت ہیں۔

دینی فلاسفر اور حکماء: اسلام میں سرتاج انبیاء محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد فلسفہ و حکمت کے اس خاص شعبہ "علم الاسرار" کا معلّم اوّل عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہے اور معلّم ثانی علی

---

[1] مدارج السالکین جلد ۲ ص ۲۴۴ [2] اخلاق جلالی ص ۲۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن ابی طالب (حیدر کرار رضی اللہ عنہ) کو سمجھا جاتا ہے۔ عورتوں میں یہ سعادت سب سے پہلے عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے حصہ میں آئی

اس کے بعد اسلامی گہوارہ میں بہت سی ماؤں نے ایسے بچوں کی پرورش کی جو غزالی۔ قشیری، رازی، ابن تیمیہ، ابن قیم اور احمد سرہندی بن کر اس فلسفہ و حکمت کے "امام" کہلائے۔

حکیم الامۃ امام ولی اللہ دہلوی: لیکن بارہویں صدی ہجری کے شروع میں یو پی کے غیر معروف قصبہ پھلت میں معلم اوّل حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کی نسل سے ایک بچہ نے عالم وجود میں قدم رکھا، والدین کی جانب سے اگرچہ اس کو احمد سے موسوم کیا گیا لیکن اپنی فطری کمالات اور "علم الاسرار و حکمت" کی امامت کبریٰ نے اس آفتاب حکمت کو دارالسلطنت دہلی میں "ولی اللہ" کے لقب سے مشہور کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ فیلسوف امت ولی اللہ دہلوی نے حکمت ربانی اور فلسفۂ الٰہی کا جو اسلوب قائم کیا وہ اپنے تمام پیشروؤں سے زیادہ ممتاز اور اپنی حیثیت سے بہت زیادہ وقیع ہے یہی نہیں بلکہ تمام اسلامی و غیر اسلامی حکماء و فلاسفر کے نظریۂ اخلاق میں وہ حقیقت مفقود نظر آتی ہے جو اس حکیم و فیلسوف کے یہاں بدرجۂ کمال پائی جاتی ہے۔

حکیم الامۃ کا نظریہ اخلاق: شاہ ولی اللہ بہت سی پُر عظمت کتابوں کے مصنّف ہیں جو مختلف علوم و فنون کا نادر ذخیرہ ہیں مگر ان کی تصنیفی زندگی کا شاہکار "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ یہ کتاب علوم عقلیہ و نقلیہ کا بیش بہا گوہر اور انمول موتی ہے۔ "علم اسرار" اور "حکمت ربانی" کے پیش نظر شاہ صاحب نے اس میں وہ سب کچھ سپرد قلم کر دیا ہے جو انسانی سعادت کے انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں اور دنیوی و اُخروی دونوں زندگیوں سے متعلق ہے۔

اس کتاب کا ایک حصہ "علم الاخلاق" سے متعلق ہے جس میں اخلاق کے علمی نظریوں اور عملی درست کاریوں کو بہترین طرز نگارش کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

دوسری کتابوں میں جب آپ "علم الاخلاق" کے ان مباحث کا مطالعہ کریں گے جن میں "علم الاخلاق کا دوسرے علوم سے تعلق" پر بحث کی گئی ہے تو تمام علماء اخلاق اور حکماء و فلاسفر کو اس پر متفق پائیں گے کہ وہ اس سلسلہ میں علم ما بعد الطبیعۃ (میٹا فزیکس) فلسفۂ طبیعی (فزیکس) علم الارتقاء (ایولیوشن) علم النفس (سائیکالوجی) علم المنطق (لاجک) جمالیات (ایستھٹک) فلسفۂ قانون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(فلاسفی آف لا) علم الاجتماع (سوشیالوجی) اور فلسفہ تاریخ (فلاسفی آف ہسٹری) کا ذکر کرتے ہیں لیکن کسی ایک جگہ بھی یہ اشارہ نہیں کرتے کہ "علم الاخلاق کا کوئی تعلق اجتماعی علم المعیشت سے بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس طرح کا ہے؟

ارسطو کی کتاب الاخلاق، فلسفہ اخلاق میں ابن مسکویہ کی کتاب السعادۃ اور تہذیب الاخلاق ماوردی کی ادب الدین والدنیا، غزالی کی احیاء العلوم، راغب کی الذریعہ، ابن قیم کی مدارج السالکین اور اسی قسم کی دوسری اخلاقی کتابوں میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں ملتا۔ مشہور حکماء اور فلاسفر اور علماء اخلاق کے تمام مباحث اخلاق کو غور و خوض سے مطالعہ کرنے کے باوجود اس سلسلہ میں ناکامی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

چنانچہ قدیم علماء و حکما مثلاً ارسطو، فلاطون، سقراط، منکہ ہندی، رواقی، ابیقورئین، کندی، فارابی، ابن سینا، غزالی، ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد، ابن خلدون، ابن ہیثم، ابن عربی، ابن مسکویہ اور اخوان الصفا کے بیان کردہ "اخلاقی نظریئے" جس طرح اس مسئلہ میں تہی دامن ہیں اسی طرح جدید علماء اخلاق مثلاً کانٹ، اسپنسر، شوپنہار، ڈیکارٹ، فرنساوی بینتھم اور جون اسٹورٹ مل، اسپنوزا، حیرین، ہیگل کے حکمت و فلسفہ کے تمام اخلاقی نظریے اس سوال کے سوال میں درماندہ و بیچارہ نظر آتے ہیں۔

حالانکہ جرمن فلاسفر آگسٹ گٹے اور کاؤنٹ اور انگریز فلاسفر ہربرٹ اسپنسر تو ان مشاہیر فلاسفروں میں سے ہیں جنھوں نے "علم الاخلاق" کے ساتھ علم الاجتماع اور علم الارتقاء کو منطبق کرنے کے لیے بہت سے جدید اور وسیع نظریوں سے کام لیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی پرواز خیال اس رفعت و بلندی تک نہ پہنچ سکی جو ولی اللہ دہلوی کے حصہ میں آئی۔

متاخرین علمائے اخلاق عارف رومی، سعدی اور شیخ سرہندی نے اخلاقیات پر بہت کچھ کہا، اور خوب کہا مگر دنیا کے اجتماعی اخلاق کی برتری یا بربادی پر جو چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہے اور ہوتی رہی ہے یعنی "اقتصادیات" اس کا نشان یہاں بھی نہیں ملتا۔

غرض "ولی اللہ دہلوی" کی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" وہ پہلی کتاب ہے جس نے ہم کو اس بیش قیمت علمی نظریہ سے روشناس کرایا کہ "اجتماعی علم اخلاق کی فلاح و سعادت، اجتماعی معاشیات کے عادلانہ نظام پر موقوف ہے" اور یہ کہ دنیا کی قوموں کا اجتماعی اخلاق اس وقت تک صحیح اور بہتر نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان کے درمیان ایک ایسا اجتماعی اقتصادی نظام قائم نہ ہو جائے جو افراط و تفریط سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاک، عادلانہ اصول رکھتا ہو۔

امام الحکمۃ "ولی اللہؒ" کے علاوہ تمام علماء اخلاق "جدید ہوں کہ قدیم" یہ سمجھتے رہے ہیں کہ قوموں کے اجتماعی اخلاق کو "حسین" بنانے کے لیے عمدہ اخلاقی نظریوں کے غازہ کی ضرورت ہے اس لیے انھوں نے جدید علم الاخلاق کو علم الاجتماع پر منطبق کرنے کی زبردست کوشش کی ہے مگر ان تمام علماء سے جدا ولی اللہ دہلوی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ "اجتماعی اخلاق" کا حُسن اُس وقت تک نہیں نکھر سکتا جب تک کہ اقوام کے اجتماعی جسم کو فاسد معاشی نظام کے جذام سے صحت نہ ہو جائے اگر یہ ہو جائے تو پھر اجتماعی اخلاقیات کا تازہ خون خود بخود جسمِ اقوام میں دوڑنے لگے گا اور اس کے حُسن و زیبائش کے لیے کسی خارجی پوڈر اور غازہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اجمال کی تفصیل: اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علمائے اخلاق کے نزدیک یہ تسلیم شدہ مسئلہ ہے کہ علم اخلاق کا علم الاجتماع کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں۔

"انسان کی زندگی اجتماعی زندگی کے بغیر ناممکن ہے، لہذا وہ ہمیشہ کسی نہ کسی جماعت کا فرد ہو کر ہی زندہ رہ سکتا ہے، اور یہ ہماری قدرت سے باہر ہے کہ ہم کسی ایک فرد کے فضائل سے اس طرح بحث کریں کہ جس جماعت کی جانب وہ منسوب ہے اس سے بالکل قطع نظر کرلیں اس لیے کہ اس کے بغیر ہم یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ جس جماعت سے اس کا تعلق ہے اس کے اندر وہ کون سے اوصاف ہیں جن سے فضائل و محاسنِ اخلاق میں مدد ملتی یا رکاوٹ پیدا ہوتی ہے"[1]

حقیقت حال یہ ہے کہ انسان نہ صرف کسی ایک بلکہ بہت سے روابط کے ساتھ ناگزیر طور پر مربوط ہے، اور اس طرح وہ اپنے کنبہ کا بھی عضو ہے، شہر و قریہ کا بھی، قوم کا بھی فرد ہے اور پھر تمام انسانی دنیا کا بھی[2]

ان حقائق کے پیشِ نظر انفرادی اخلاق کا تعلق اجتماعی اخلاق کے ساتھ ایک ناگزیر امر ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو پھر بلاشبہ علم الاخلاق کا تعلق علم الاجتماع کے ساتھ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے[3] اور شاہ ولی اللہ نے خصوصیت کے ساتھ "مبحث ارتفاقات" کے عنوان سے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے[4]

---

[1] اخلاق و فلسفۂ اخلاق ص ۲۰۱۱ [2] ایضاً ص ۲۲۵ [3] مختصر از اخلاق و فلسفہ ص ۲۲۵ تا ۲۲۷ [4] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۲۸، ۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس اس "مسلمہ عقیدہ" نے "انفرادی اخلاق" کے مقابلہ میں "اجتماعی اخلاق" کی برتری پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور یہ واضح کر دیا کہ حیات انسانی میں اجتماعی اخلاق کی قیمت بہت زیادہ ہے کیونکہ اس کی افادیت بہت زیادہ ہے۔

لیکن "علماء اخلاق" میں یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ "اجتماعی اخلاق" میں سے کسی خلق کو شرف اور برتری حاصل ہے۔ کتب اخلاق میں اس بحث کو "فضیلت" کے باب میں بیان کیا جاتا ہے اور اس میں سقراط، ارسطو، فلاطون، ابن مسکویہ اور دور حاضر کے علما نے اخلاق کے مباحث کو تفصیل سے نقل کیا گیا ہے۔ ان مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سقراط "ہر شے کی صحیح معرفت" کو سب سے بڑی فضیلت تسلیم کرتا ہے، ارسطو نظریہ "اوساط" کا قائل ہے یعنی ہر دو رذائل کے درمیان ایک فضیلت پوشیدہ ہے۔

فلاطون کبھی اپنے استاد سقراط کی تقلید کرتا نظر آتا ہے اور کبھی "خواہشات نفس پر ضبط اور کنٹرول" کو سب سے بڑی فضیلت شمار کرتا ہے۔

ابن مسکویہ ارسطو کی تائید میں مصروف ہے اور دور حاضر کے علماء فضائل اجتماعیہ کو بغیر کسی برتری اور فضیلت کے مختلف اقسام میں تقسیم کرتے نظر آتے ہیں، لیکن ولی اللہ دہلوی نے اصول اخلاق کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے "اجتماعی اخلاق" کے لیے صرف ایک ہی فضیلت کو "اصل" اور "معیار" قرار دیا ہے اور وہ "عدل" ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"عدالت ہی ایک ایسی اساس ہے کہ جب انسانی اطوار زندگی مثلاً نشست و برخاست خواب و بیداری، رفتار و گفتار اور شکل و لباس وغیرہ میں اس کا لحاظ کیا جائے تو اس کو "ادب" کہتے ہیں اور جب مالی حیثیت یعنی جمع و خرچ سے متعلق امور میں اس کو پیش نظر رکھا جائے تو اس کا نام "کفایت" ہے اور اگر تدبیر منزل میں اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو وہ آزادی (سول لبرٹی) کہلاتی ہے اور اگر تدبیر مملکت میں اس کو بنیاد بنایا جائے تو اس کو "سیاست" کہا جاتا ہے اور اگر اس کو باہمی اخوت و محبت اور تعلقات میں اساس بنایا جائے تو اسی "عدل" کو "حسن معاشرت" کا نام دیا جاتا ہے[1]۔

اجتماعی اخلاق میں "عدل" کی حیثیت کو جس طرح شاہ صاحب نے ظاہر فرمایا ہے "علماء حق" کے لیے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۶۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایک ایسا بہترین نظریہ ہے جو "فضیلت" سے متعلق، قدیم و جدید تمام مباحث کے اختلاف کے لیے ایک "محاکمہ" اور فیصلہ کن مسئلہ کی طاقت رکھتا ہے اور اس سے اجتماعی اخلاق میں "عدل" کی برتری کے ساتھ ساتھ وہ تمام مشکلیں بھی حل ہو جاتی ہیں جو "فضیلت" کی بحث میں علمائے اخلاق کے سامنے رونما ہیں۔

عدل کا تعلق نظام عدل سے: فیلسوف امۃ "شاہ ولی اللہ" اجتماعی اخلاق میں "عدل" کو یہ حیثیت کیوں دیتے ہیں؟ اس کا جواب خود انھوں نے "عدالت" کی تعریف کرتے ہوئے دیا ہے حجۃ اللہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"عدالت ایک ایسے ملکہ کا نام ہے جس کے ذریعہ سے تدبیرِ منزل، سیاست مملکت اور اسی قسم کے اجتماعی معاملات کے لیے سہولت اور آسانی کے ساتھ ایک عادل اور پُر از خیر نظام قائم ہو جاتا ہے دراصل یہ ایک ایسی نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جس سے ایسے لطیف افکار کلیہ اور سیاسیاتِ عالیہ پھوٹ نکلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے عالم روحانیت کے نزدیک ٹھیک اور مناسب ہوں"[1]

اور فیوض الحرمین میں خلقِ حسن "سمت صالح" کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں:

"اخلاق انسانی میں ایک خلق کا نام "سمت حسن" (نیک سرشت) ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے نفس ناطقہ ان اعمال و اخلاق میں بیداری اور توجہ کامل حاصل کر لیتا ہے، جو اس کے اور خدا کے درمیان اور اس کے اور خدا کی تمام مخلوق کے درمیان وابستہ ہیں اور ایسے نظام صالح کی جانب راہ پا جاتا ہے جو رضائے الٰہی کا منشا ہے۔

سو جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی بھلائی چاہتا ہے تو ان کو ان اعمال و اخلاق کی سمجھ عنایت کرتا اور "عادلانہ نظام" کی جانب راہنمائی کرتا ہے"[2]

معیشت کا نظام اور علم الاخلاق: اس طویل بحث کو اب اس طرح ترتیب دیجیے کہ "انسان" اگر اخلاق کریمانہ سے متصف نہیں ہے تو پھر وہ حیوانوں اور چوپاؤں سے بھی بدتر ہے اور اس آیت کا مصداق ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ — ان کے دل ہیں پر سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں
أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا — پر دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۶۸ - ۶۹ [2] فیوض الحرمین ص ۷۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یسمعون بها اولئک کالانعام بل هم — نہیں، یہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ
اضل اولئک هم الغفلون۔ (الاعراف) — بے راہ ہیں۔ یہی ہیں جو غفلت میں سرشار ہیں۔

اخلاق میں انفرادی اخلاق سے زیادہ اجتماعی اخلاق کا مرتبہ ہے قرآن عزیز نے اگرچہ جدا جدا ہر قسم کے اخلاقی اصول بیان کیے ہیں لیکن جس آیت کو جامع اخلاق کہا گیا ہے اس میں اُن ہی اخلاق کریمانہ کا ذکر ہے جو اجتماعی اخلاق کہلاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

ان اللہ یامرکم بالعدل — بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے عدل کا احسان کا اور قرابت
والاحسان وایتاء ذی القربیٰ۔ — والوں کے ساتھ حسن سلوک اور داد و دہش کا۔

پھر یہی آیت اس کے لیے بھی فیصلہ ناطق ہے کہ اجتماعی اخلاق میں بھی "عدل" کا درجہ بلند و بالا ہے اس لیے کہ عدل ہی سے احسان تک رسائی ہوتی ہے اور "عدل" ہی "ایتاء ذی القربیٰ" کی توفیق بخشتا ہے اس لیے آیت میں اس کو اولیت کا شرف بخشا گیا۔

پھر "عدل" ہی اس چیز کو منصۂ شہود پر لاتا ہے جو اجتماعی اخلاق بلکہ اجتماعی حیات کا مدار ہے، یعنی "نظام صالح" بلاشبہ یہ ایک محور و مرکز ہے اور تمام اجتماعی مسائل اسی کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں صرف اسی کے وجود سے اجتماعیت کا وجود ہے اور اسی کے فساد و فنا میں اجتماعیات کا فساد و فنا مضمر ہے۔

الحاصل ان ہر سہ درجات و منازل کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عادل و صالح نظام کی صلاحیت اور اس کا فساد کس شے کے ساتھ وابستہ ہے؟ یہ بظاہر ایک بہت معمولی سوال ہے لیکن اس حقیقت کے پیش نظر بہت اہم اور اجتماعی حیات پر بہت زیادہ اثر انداز ہے۔

ارسطو کی کتاب الاخلاق اس کا جواب صرف یہ دیتی ہے کہ "صالح نظام" کا وجود "حصول سعادت" پر موقوف ہے جو اخلاقیات کے لیے "مثل اعلیٰ" ہے لیکن "سعادت" کس طرح ہم کو ایک مکمل اجتماعی صالح نظام تک پہنچاتی ہے اس کا جواب ارسطو کے پاس نفی میں ہے البتہ وہ "علم الاخلاق" سے الگ ہو کر اس کا جواب "سیاسیات" میں دینے کی سعی کرتا ہے اور اس طرح "نظام اجتماعی" کو اخلاق سے جدا کر دیتا ہے۔

سقراط اور افلاطون کے یہاں بھی یہی حال نظر آتا ہے اور اسی طرح ان کے متبعین مسلمان فلاسفروں اور حکماء کا حال ہے۔ ابن سینا، فارابی، ابن مسکویہ، ابن رشد اس سلسلہ میں یہ سب اسی اسکول کو مانتے چلے آتے ہیں جس کی طرح یونانی فلاسفروں نے ڈالی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام غزالی، ابن تیمیہ ، ابن قیم، ابن عربی اور رومی اگرچہ اخلاقیات میں ایک مستقل اسکول رکھتے اور ان کے لیے بہترین نوامیس قائم کرتے ہیں تاہم اس سوال کے جواب میں "عدل" تک پہنچ کر وہ بھی خاموش ہو جاتے ہیں اور ان کا فکر اس سے اوپر پرواز کرنے کو تیار نظر نہیں آتا۔

لیکن اس سوال کا جواب امام الحکمت ولی اللہ دہلوی کے پاس موجود ہے اور بلاشبہ انھوں نے "نمائے وعادل نظام" کی صلاحیت کو جس اصل اور ناموس پر قائم کیا ہے وہ ان ہی کا طغرائے امتیاز ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"جب پارسیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیش کو انھوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک کو بھلا دیا اور شیطان نے ان پر غلبہ کر لیا تو اب ان کی تمام زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی کے اسباب میں منہمک ہو گئے اور ان میں کا ہر شخص سرمایہ داری اور تمول پر فخر کرنے اور اترانے لگے یہ دیکھ کر کہ دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں لیسے ماہرین جمع ہو گئے جو سب جا عیش پسندوں کو داد عیش دینے کے لیے عیش پسندی کے نئے نئے طریقے ایجاد اور سامان عیش مہیا کرنے کے لیے عجیب و غریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے اور قوم کے اکابر اس دوڑ دھوپ میں مشغول نظر آنے لگے کہ اسباب تعیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق ہو سکتے اور ایک دوسرے پر فخر و مباہات کر سکتے ہیں حتیٰ کہ ان کے امراء اور سرمایہ داروں کے لیے یہ سخت عیب اور عار سمجھا جانے لگا کہ ان کی کمر کا پٹکہ یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا ہو یا ان کے پاس عالیشان سر بفلک محل نہ ہو جس میں پانی کے حوض سرد و گرم حمام، بے نظیر پائیں باغ، اور ضرورت سے زائد نمائش کے لیے بیش قیمت سواریاں خشم و خدم اور حسین و جمیل باندیاں موجود ہوں، اور صبح و شام رقص و سرور کی محفلیں گرم ہوں اور جام و سبو سے شراب ارغوانی چھلک رہی ہو اور نزول عیاشی کے وہ سب سامان مہیا ہوں جو آج بھی تم عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہو اور جس کا ذکر قصۂ طولانی کے مرادف ہے

غرض یہ غلط اور گمراہ کن عیش ان کے "معاشی نظام" کا اصل الاصول بن گیا تھا اور کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ یہ صرف نواب اور امراء کے طبقہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ پوری مملکت میں ایک عظیم الشان آفت اور وباء کی طرح سرایت کر گیا تھا اور عوام و خواص سب میں یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذبہ فاسد پایا جاتا ہے اور ان کے "معاشی نظام" کی تباہی کا باعث بن رہا ہے۔

نتیجہ یہ تھا کہ مملکت کی اکثریت پر یہ حالت طاری تھی کہ دلوں کا امن و سکون مٹ گیا تھا نا امیدی، کاہلی بڑھتی جاتی تھی اور بہت بڑی اکثریت۔ رنج و غم اور آلام اور مصائب میں گھری نظر آتی تھی اس لیے کہ ایسی مفرطانہ عیش پرستی کے لیے زیادہ سے زیادہ رقوم اور آمدنی درکار تھی اور وہ ہر شخص کو مہیا نہ تھی۔ البتہ اس کے لیے پادشاہ، نواب، امراء اور حکام نے معاشی دستبرد شروع کر دی اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ کاشتکاروں، تاجروں، پیشہ وروں اور اسی طرح دوسرے کار پردازوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر کے ان کی کمر توڑ دی اور انکار کرنے پر ان کو سخت سے سخت سزائیں دیں، اور مجبور کر کے ان کو ایسے گھوڑوں اور گدھوں کی طرح بنا دیا جو آبپاشی اور ہل چلانے کے کام میں لائے جاتے ہیں اور پھر کارکنوں اور مزدور پیشہ لوگوں کو اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ اپنی حاجات و ضروریات کے مطابق بھی کچھ پیدا کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ ظلم و بداخلاقی کی انتہا ہو گئی تھی۔

اس پریشاں حالی اور افلاس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو اپنی اخروی سعادت اور فلاح اور خدا سے رشتہ و بندگی جوڑنے کے لیے بھی مہلت نہ ملتی تھی اور اس فاسد "معاشی نظام" کا ایک مکروہ پہلو یہ بھی تھا کہ جن صنعتوں پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے وہ اکثر یک قلم متروک ہو گئی اور امراء و روسا کی مرضیات و خواہشات کی تکمیل ہی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بہتر حرفہ شمار ہونے لگا۔

اور جمہور کی یہ حالت تھی کہ ان کی تمام زندگی بداخلاقیوں کا نمونہ بن گئی تھی اور ان میں سے اکثر کا گزارہ بادشاہوں کے خزانوں سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہو گیا تھا مثلاً ایک طبقہ جہاد کیے بغیر باپ دادا کے نام پر مجاہدین کے نام سے وظیفہ خواری کر رہا ہے تو دوسرا مدبرین مملکت کے نام سے پل رہا ہے کوئی بادشاہ اور امراء کی خوشامد میں قصدہ خوانی کر کے شاعری کے نام سے وثیقہ پا رہا ہے تو کوئی صوفی اور فقیر بن کر دعا گوئی کے زمرہ میں مالی استحصال کر رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسب معاش کے بہترین طریقوں کا فقدان تھا اور ایک بڑی جماعت چاپلوسی مصاحبت، چرب زبانی اور درباداری کے ذریعہ معاش حاصل کرنے پر مجبور ہو گئی تھی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایک ایسا فن بن گیا تھا جس نے ان کے افکارِ عالیہ اور ذہنی نشو ونما کی تمام خوبیاں مٹا کر پست واردل زندگی پر قانع کر دیا تھا۔

پس جب یہ فاسد مادہ وبا کی طرح پھیل گیا اور لوگوں کے دلوں تک سرایت کر گیا تو ان کے نفوس دنائت وخست سے بھر گئے اور ان کی طبائع، اخلاق صالحہ سے نفرت کرنے لگیں اور ان کے تمام اخلاق کریمانہ کو گھن لگ گیا اور یہ سب اس "فاسد معاشی نظام" کی بدولت پیش آیا جو عجم وروم کی حکومتوں میں کارفرما تھا۔

آخر جب اس مصیبت نے ایک بھیانک شکل اختیار کر لی اور مرض ناقابل علاج حد تک پہنچ گیا تو خدائے تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھا اور اس کی غیرت نے تقاضہ کیا کہ اس مہلک مرض کا ایسا علاج کیا جائے کہ فاسد مادہ جڑ سے اکھڑ جائے اور اس کا قلع قمع ہو جائے۔

اس نے ایک "امی نبی" صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا، وہ آیا اور اس نے رُوم وفارس کی ان تمام رسوم کو فنا کر دیا اور عجم وروم کے رسم ورواج کے خلاف صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی۔

اس نظام میں فارس وروم کے فاسد نظام کی قباحت کو اس طرح ظاہر کیا گیا کہ معاشی زندگی کے ان تمام اسباب کو یک قلم حرام قرار دیا جو عوام اور جمہور پر معاشی دستبرد کا سبب بنتے اور مختلف عیش پسندیوں کی راہیں کھول کر حیات دنیوی میں بیجا انہماک کا باعث ہوتی ہیں، مثلاً مردوں کے لیے سونے چاندی کے زیورات اور حریر ودیبا کے نازک کپڑوں کا استعمال اور تمام انسانی نفوس کے لیے خواہ مرد ہو خواہ عورت ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال اور عالیشان کوشکوں اور رفیع الشان محلات وقصور کی تعمیر اور مکانوں میں فضول زیبائش ونمائش وغیرہ کہ یہی فاسد نظام کے ابتدائی منازل اور معاشی نظام کی تباہی کا منشاء ومولد ہیں بہر حال خدا تعالیٰ نے اس ہستی کو اخلاق کریمانہ اور نیک نہادی کا معیار اور ان پاک امور کے لیے میزان بنا دیا"۔

اسی طرح شاہ صاحب "ارتفاقات" پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"یہ واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا منشاء اگرچہ بالذات عبادات الٰہی سے متعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے مگر عبادات کے ساتھ ساتھ اس منشاء میں رسوم فاسد کو فنا کرکے اجتماعی زندگی میں بہترین نظام کا قیام بھی شامل ہے اسی لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کردوں۔

اور اسی لئے اس مقدس ہستی کی تعلیم میں "رہبانیت" کو اخلاقی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ انسانوں کے باہم اختلاط و اجتماعی زندگی کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اس اجتماعیت کا امتیاز یہ قرار دیا ہے کہ اس کے معاشی نظام میں نہ دولت و ثروت کو وہ حیثیت حاصل ہو جو عجمی بادشاہوں کے یہاں حاصل تھی اور نہ ایسی کیفیت ہو کہ تمدن سے بیزار دہقان اور وحشی لوگوں کی طرح ان کی معیشت ہو پس اس مقام پر دو متعارض قیاس کام کر رہی ہیں ایک یہ کہ نظام معیشت میں دولت و ثروت ایک محبوب و محمود شے ہے اس لیے کہ اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہے تو اس کی بدولت انسانوں کا دماغی توازن اعتدال پر رہتا ہے اور اس سے ان کے اخلاق کریمانہ صحیح اور درست رہتے ہیں۔ نیز انسان اس قابل بنتا ہے کہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو اس لیے کہ یکسانہ اور مجبورانہ افلاس سوء تدبیر اور مزاج کے اختلال کا باعث ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نظام معیشت میں دولت و ثروت ایک بدترین چیز ہے جبکہ وہ باہمی منافرت اور بغض و حسد کا سبب بنتی ہے اور خود اہل ثروت و دولت کے اطمینان قلب کو تعب اور حریصانہ کد و کاوش کے زہر سے مسموم کرتی ہو اور قوموں کو استحصال بالجبر اور دوسروں پر معاشی دستبرد کے لیے آمادہ کرتی ہو کیونکہ اس صورت میں یہ بد اخلاقی کے مرض میں مبتلا کر دیتی ہے آخرت اور یاد الٰہی یعنی روحانی زندگی سے بالکل غافل و بے پرواہ بنا دیتی اور مظلوم پرستی نئے مظالم کا دروازہ کھولتی ہے لہذا پسندیدہ راہ یہ ہے کہ دولت و ثروت "نظام معیشت" میں ایسا درجہ رکھتی ہو جو توسط اور اعتدال پر قائم اور افراط و تفریط سے پاک[1] ہو اور یہ صحیح معاشی نظام کے بغیر ناممکن ہے۔"

---

[1] مختصر از حجۃ اللہ البالغہ جلد اص ۱۰۴ و جلد دوم ص ۱۰۵ و ۱۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہ کے اس نظریہ کی صداقت کے لیے باقی تاریخوں کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں موجودہ یوریپین حکمرانوں کی تاریخ ہی اس کے لیے زندہ شہادت ہے۔

کیا آپ بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ جہاں تک انفرادی اخلاق کا تعلق ہے بعض یوریپین اقوام اخلاقی مسائل میں بلند اخلاق اور مضبوط کیریکٹر کی حامل نظر آتی ہیں لیکن جب ان کی اجتماعی اخلاقی زندگی پر نظر ڈالیے تو غدر و فریب، بدعہدی، معاشی دستبرد، استحصال بالجبر اور اسی قسم کی بداخلاقیوں کا سرتاسر مرقع نظر آتی ہیں وہ معاہدات کرتی ہیں مگر بدعہدی کے لیے، مظالم توڑتی ہیں مگر آئین اور قانون کا نام دے کر، فریب کاریاں کرتی ہیں مگر تدبر اور سیاست کہہ کر اور معاشی دستبرد روا رکھتی ہیں مگر تجارت اور تہذیب آموزی کا پردہ رکھ کر حتیٰ کہ انفرادی بداخلاقیوں میں سے بھی بدکاری، شراب خواری ان کا مایہ خمیر بن چکی ہے۔

لیکن یہ کچھ کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ ان کے معاشی نظام کی بنیادیں جمہور کی حاجتوں کے پورا کرنے کے اصول پر استوار نہیں کی گئیں بلکہ ان سرمایہ دارانہ اصول پر قائم ہیں جن کو شاہ ولی اللہ کے نظریہ میں فاسد اور مذموم معاشی نظام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پس جس حکمران قوم کا معاشی نظام رفاہیت کی افراط کا داعی اور معاشی دستبرد کا حامل ہے اس قوم میں اجتماعی محاسن اخلاق پیدا نہیں ہو سکتے اور وہ قوم ہمیشہ اجتماعی بداخلاقیوں کا معدن ہو گی، کمزور اقوام کے لیے فتنہ بیگی اور تکبر، ظلم، حق تلفی، دوسروں کی تحقیر و تذلیل اور خود غرضی و خوشامد پسندی جیسے مکروہ اخلاق اس کی فطرت ثانیہ بن جائیں گے۔

اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو قوم غلامی یا دوسرے اسباب کی بدولت ایسے معاشی نظام سے دوچار ہو جو معتدل اور عادلانہ رفاہیت سے خالی اور محروم ہے تو وہ دوسری قسم کی اجتماعی بداخلاقیوں کا گہوارہ بن جائے گی اور اس میں ذلت نفس، قنوطیت یعنی ناامیدی اور یاس، عجز، بزدلی، افلاس اور گداگری جیسی بداخلاقیاں نمودار ہو جائیں گی۔

پس شاہ شاہ صاحب کے زیر بحث نظریہ اخلاق کے پیش نظر اجتماعی اخلاق اور عادلانہ معاشی نظام میں ایسا تلازم ہے جو کسی طرح ایک دوسرے کو جدا ہونے نہیں دیتا اور شاہ صاحب کی نظر میں اجتماعی اخلاق میں حسن و کمال جب ہی پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومت کا معاشی نظام ایسے اعتدال پر ہو کہ جس میں میلانِ عیش پسندی کا دخل نہ ہو، نہ افلاس اور فقر و فاقہ کا اور نہ وہ معاشی دستبرد اور آئینی استحصال بالجبر پر قائم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو اور معیشت کے ترقی پذیر ذرائع سے خالی اور محروم ہو۔

حضرت شاہ صاحب فیوض الحرمین میں ایک مکاشفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے رویائے صادقہ میں دیکھا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے نظامِ خیر کی تکمیل کے لیے اپنی منشاء و مراد کا آلۂ کار بنا دیا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام مسلم ممالک پر کفار نے غلبہ کر کے ان کو تہہ و بالا کر ڈالا ہے اور یہ دیکھ کر مجھ پر ایک غضب کی سی حالت طاری ہے اور میرے ارد گرد رومی فارسی، ازبک اور عجم و عرب کے مسلمانوں کا جمِ غفیر جمع ہے کوئی گھوڑے پر سوار ہے تو کوئی اونٹ پر اور کوئی پیادہ اور سب بھی میری طرح کفار کے اس غلبہ پر غضبناک نظر آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرفات کے میدان میں بقصدِ حج جمع ہیں آخر وہ میری جانب مخاطب ہو کر کہنے لگے:

ماذا حکم اللہ فی ھذہ الساعۃ: اس حالت کے پہنچ جانے کے بعد اب خدا کا کیا فیصلہ ہے؟

میں نے جواب دیا

فك كل نظام: موجودہ تمام نظامہائے عالم کو درہم برہم کر دینا۔

امام الحکمت ولی اللہ کا اس سے یہ مطلب ہے کہ چونکہ اب عالم میں اسلام کا وہ بنیادی نظام باقی نہیں رہا جس کا جزوِ اعظم "صحیح معاشی نظام" ہے اور جو جمہور کے امن و اطمینان کا کفیل ہے تو اب تعمیر سے پہلے تخریب ضروری ہے اور اس کے بعد ہی اس عادلانہ نظام کے قیام کی توقع کی جا سکتی ہے۔

امام ابو یوسفؒ نے علم الاسرار کے معلمِ اول اور شاہ صاحب کے جدِ امجد حضرت عمر بن الخطاب کا ایک مقولہ کتاب الخراج میں نقل کیا ہے کہ جو امام الحکمۃ کے نظریہ کی تائید کرتا ہے حضرت عمرؓ نے ایک ذمی یہودی کو بھیک مانگتے دیکھ کر فرمایا:

"وہ حکمراں خدا کے سامنے سخت مواخذہ میں گرفتار ہوگا۔ جس کی قلمرو میں ایک بھکاری بھی بھیک مانگنے پر مجبور ہو"۔

الحاصل امام الحکمۃ شاہ ولی اللہ دہلوی وہ پہلا فلسفی اور علم الاخلاق کا پہلا حکیم ہے جس نے دنیا کے سامنے یہ بیش بہا نظریہ پیش کیا کہ کسی قوم کا اجتماعی اخلاق تک پہنچنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ اس کے نظامِ حکومت میں ایسا "عادلانہ معاشی نظام" قائم نہ ہو جو افراط و تفریط سے الگ عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں فلاح و خیر ہو اور رفاہیت کا ضامن ہو اور بلاشبہ "ولی اللّٰہی حکمت و فلسفہ کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ وہ اخلاقیات کو معاشیات کے ساتھ مربوط کرتی اور ان دونوں کے درمیان لازم و ملزوم کا رشتہ ثابت کرتی ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین والعاقبۃ للمتقین

© rasailojaraid.com